www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر عبدالکریم ابراہیم صالح ☆
مترجم: قاری محمد حسین ☆☆

مسائل عقیدہ پر قراءات کے اثرات

تمہید

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ عقیدہ دین حنیف میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے، کیونکہ اس کا تعلق اللہ کی معرفت، نبی کریم ﷺ کی نبوت اور آپ ﷺ کی صداقت و امانت پر ایمان لانے پر ہے۔ قراءات قرآنیہ سے یہ مسائل اور بھی زیادہ واضح اور احسن صورت میں نمایاں ہوتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قراءات قرآنیہ کے ان پہلوؤں کو اُجاگر کیا جائے جن سے یہ پتہ چلے کہ جہاں قراءات قرآن کی تفاسیر میں مدد دیتی ہیں وہاں یہ قراءات عقیدہ کے مسائل کی بھی عقدہ کشائی کرتی ہیں۔ ان مسائل میں سے ایک بنیادی مسئلہ اللہ کے اسماء کی معرفت ہے، کیونکہ صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بننے اور اس کی عبادت میں خشوع و خضوع حاصل کرنے کے لیے باقی تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ اللہ کے ناموں کی معرفت حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس طرح اللہ کی ذات کی معرفت حاصل کرنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ کے اسماء میں معرفت تامہ حاصل کی جائے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا اِرشاد پاک ہے:

«من أحصاها دخل الجنة» ''اللہ کے ناموں کو شمار کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

علاوہ ازیں اللہ نے خود بھی قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ مجھے اچھے اچھے ناموں سے پکارو۔

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ [الاعراف:۱۸۰]

''اور اللہ اچھے ناموں کا مستحق ہے، اس کو اچھے ناموں سے ہی پکارو۔''

دوسری جگہ فرمایا: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ [الاسراء:۱۱۰]

''اے نبیؐ! ان سے کہو، اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو اس کے لیے سب نام ہی اچھے ہیں۔''

اسی حکم کی تعمیل کا صحیح حق ادا کرتے ہوئے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

«أسألك لكل اسم هو لك سميت به نفسك أو أنزلته فى كتابك أو علمته أحدا من خلقك أو استأثرت به فى علم الغيب عندك» [مسند احمد: ۱/۳۹۱، ۴۵۲، والحاكم فى مستدرك كتاب الدعاء والتكبير والتهليل والتسبيح والذكر، ص ۵۰۹۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ]

''اے اللہ میں تجھ سے تیرے ہر اُس نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنے لیے خاص کئے ہیں یا تو نے اپنی کتاب میں اتارے ہیں یا مخلوق میں سے کسی ایک کو سکھائے ہیں یا جو تیرے غیب کے خزانوں میں ہیں۔''

☆ پروفیسر کلّیۃ القرآن الکریم، جامعہ ازہر، مصر
☆☆ فاضل کلّیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس تحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم سب سے پہلے اُن قراءات کا ذکر کریں گے جن کا تعلق اللہ کے ناموں سے ہے تاکہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی قراءات کا مقام و مرتبہ واضح ہو سکے۔ ان میں سے پہلی مثال:

قولہ: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ [الفاتحة:۴]

لفظ 'ملك' میں دو قراءتیں ہیں۔

1. 'مَالِكِ' الف کے ساتھ ملك سے اسم فاعل کا صیغہ۔ یہ قراءۃ امام عاصم، امام کسائی، امام یعقوب اور امام خلف العاشر کی ہے۔
2. 'ملک'۔ حذف الف سے بروزن حذر، مبالغہ کا صیغہ، یہ امام نافع، امام ابن کثیر مکی، امام ابوعمرو بصری، امام ابن عامر شامی، امام حمزہ اور امام ابوجعفر کی قراءۃ ہے۔ [النشر:۲۷۱/۱، فتح الوصید للسخاوی:ص۱۷۵]

دونوں قراءتوں کی دلالت

ان دونوں قراءتوں کی دلالت واضح کرنے سے پہلے ان کے معانی بیان کرنا ضروری ہے:

1. المالك اسے کہتے ہیں جسے اپنی زیر ملکیت تمام چیزوں کے تصرف کا مکمل اختیار حاصل ہو اور وہ انہیں جس پر جیسے چاہے صرف کرے۔
2. المَلِكِ جسے اپنے ماتحت حضرات کو کسی کام کے کرنے یا روکنے کا پورا پورا حق حاصل ہو۔

چنانچہ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ الملك بولنے والوں کے ساتھ خاص ہے۔ اسی لیے ملك الناس کہنا درست ہے، لیکن ملك الاشیاء کہنا درست نہیں۔ [المفردات فی غرائب القرآن:ص۴۷۲]

اور ابوحیان نحوی رحمہ اللہ نے اخفش سے روایت کیا ہے کہ کہا جاتا ہے "ملك یہ مُلك (میم کے ضمہ) سے ہے اور مالك ملك (میم کے کسرہ اور فتحہ) سے ہے۔ [البحر المحیط:۲۰/۱، معانی القرآن للاخفش:۱۶۰/۱]

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ بے شک ملك اسے کہا جاتا ہے جس کی اطاعت کی جائے چاہے وہ اس کا حق رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اور مالك اسے کہا جاتا ہے کہ جس کی اطاعت کی جائے یا نہ کی جائے لیکن وہ اس کا حق رکھتا ہو اور ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت پائی جاتی ہے۔ [البحر المحیط:۲۰/۱]

دلالت کی وضاحت

"مالك یوم الدین" والی قراءۃ اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے دن اللہ وحدہ لاشریک ہی اکیلا مالک ہوگا۔ دنیا کے تمام مالکوں کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور وہاں اللہ کے علاوہ کسی اور کا حکم اور تصرف نہیں چلے گا۔

چنانچہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"مالک کا معنی قیامت کی ابتدا اور ایجاد کرنے والا ہے یا قیامت کے دن اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کا اختیار رکھنے والا۔ یہاں اسم فاعل کی ظرف کی طرف اضافت ہے۔" [فتح الوصید فی شرح القصید:ص۱۷۵]

یعنی قیامت کے دن اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا حکم نہیں چل سکے گا جب کہ 'ملك' کی قراءۃ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے دن اللہ ہی اکیلا بادشاہ ہوگا کہ جس دن دنیا کے تمام بادشاہ عاجز اور خسارے والے ہو جائیں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے مذکورہ قراءتوں سے کچھ احکام اخذ کئے ہیں جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

ملك پر مترتب ہونے والے اَحکامات

① جب دنیاوی بادشاہوں کی سیاست تمام لوگوں پر حاوی ہے تو پھر جو بادشاہوں کا بھی حقیقی بادشاہ ہے تو اس کی سیاست کیسی ہوگی؟۔

② اللہ تعالیٰ دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں ہیں، کیونکہ ان کی بادشاہت تو ختم ہوجائے گی جبکہ اللہ کی بادشاہت ہمیشہ قائم و دائم رہے گی، کیونکہ دنیاوی بادشاہوں کی بادشاہت عطائی ہے جبکہ اللہ کی بادشاہت ذاتی اور نہ ختم ہونے والی ہے، وہ اپنے خزانوں میں سے جسے جو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اس کے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور اس کے خزانے ہمیشہ بھرے رہتے ہیں۔ وہ جسے جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

③ اللہ کا مخلوق پر احسان اور رحمت کاملہ ہے، اس پر قرآن کی آیات بھی دلالت کرتی ہیں چنانچہ فرمایا: ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ﴾ [الفرقان:۲۶] ''اس دن حقیقی بادشاہی صرف رحمٰن کی ہوگی۔''

یہاں اللہ نے اپنے لیے صفت ملك ثابت کی ہے جس میں قہاری کا پہلو غالب ہوتا ہے، لیکن اس کے متصل بعد رحمان والی صفت لاکر یہ بتا دیا کہ اللہ وہ بادشاہ ہے کہ جس کی رحمت مخلوق پر غالب آجائے گی اور لوگ اس کے غضب سے محفوظ رہیں گے۔

مالك پر مترتب ہونے والے اَحکامات

① بے شک مالك کی قراءۃ کے معانی میں ملك کی قراءۃ کے معانی سے زیادہ امید پائی جاتی ہے، کیونکہ بادشاہ سے زیادہ سے زیادہ یہی اُمید کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی بادشاہت میں عدل و انصاف کرے جبکہ غلام اپنے مالک سے لباس، کھانا، نرمی وغیرہ کا طلب گار ہوتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ فرمانا چاہتے ہیں کہ ''میں تمہارا مالک ہوں اور میرے ذمہ تمہارا لباس، خوراک، ثواب اور جنت ہے۔''

② بے شک مالک کمزور اور طاقتور دونوں کو دیتا ہے جبکہ بادشاہ ایسا نہیں کرتا۔ [التفسیر الکبیر:۲۹۲/۱]

مختلف قراءات کی اعجازی وجوہ اور ان کا اثر

اگر ہم مذکورہ بحث پر غور کریں تو یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ دونوں قراءات میں عمیق اعجازی وجوہ پائی جاتی ہیں۔ پتہ چلتا ہے کہ ہمیں اللہ سے خوف و امید، رغبت، ڈر اور عدل و انصاف کا عقیدہ رکھنا چاہئے اور یہ بھی عقیدہ رکھنا چاہئے کہ مالك اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہیں۔ وہ ایسا مَلِك بادشاہ ہے جو عدل کرنے والا ہے۔

علاوہ ازیں ملك اللہ کی ذاتی صفت ہے اور مالك فعلی صفت ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں۔ اللہ مالك اور مَلِك دونوں صفات سے متصف ہے۔

چنانچہ علامہ اللقانی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'الجوھرۃ' میں رقم طراز ہیں:

وعندنا أسماؤه العظيم
كذا صفات ذاته قديمه

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واختیر أن أسماؤه توقیفیه
کذا الصفات فاحفظ السمعیه

''ہمارے نزدیک پسندیدہ اور راجح مذہب یہ ہے کہ اللہ کے نام اور صفات توقیفی ہیں لہٰذا جیسے سنو اسی طرح ہی انہیں محفوظ کرلو ان میں بحث وتمحیص کی ضرورت نہیں۔'' [المختار فی شرح البیجوری علی الجوھرۃ:ص۱۰۴ وما بعدھا]

معلوم ہوا کہ یہ دونوں قراءتیں اس بارے میں نص ہیں کہ یہ دونوں اللہ کے توقیفی نام ہیں۔اس بات کے ثبوت کی صرف یہی دونوں قراءتیں دال نہیں بلکہ قرآن مجید کی دوسری آیات سے ان کی تائید ہوتی ہے۔مثلاً

- ﴿قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ [آل عمران:۲۶]
- ﴿فَتَعٰلَى اللّٰہُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾ [المؤمنون:۱۱۶]
- ﴿ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ﴾ [الحشر:۲۳]
- ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ [الناس:۲]

بے شک یہ دونوں قراءتیں دونوں اسموں کی یوم الدین کی طرف اضافت کے جواز پر بین دلیل ہیں۔لہٰذا ملك یوم الدین اور مالك یوم الدین دونوں طرح کہنا درست ہے۔

ان دونوں قراءتوں میں سے بعض نے مالك کی قراءۃ کو اختیار کیا ہے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ مالك کے حروف زیادہ ہیں اس لیے اس کو پڑھنے میں ثواب بھی زیادہ ہوگا اور بعض نے مَلِك کو اختیار کیا ہے اور وجہ یہ بتائی ہے کہ مَلِك معنی کے اعتبار سے مالك سے زیادہ جامع ہے کیونکہ ہر بادشاہ مالك ہوتا ہے،لیکن ہر مالك بادشاہ نہیں ہوسکتا۔اسی طرح ہر بادشاہ کا حکم ہر مالک پر نافذ ہوتا ہے جبکہ اس کا عکس نہیں ہوتا،لیکن ان توجیہات کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ دونوں قراءتیں نبی کریمﷺ سے تواتر سے ثابت ہیں لہٰذا اس قسم کی توجیہات کرنا بے فائدہ ہے۔امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی یہ دونوں قراءتیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ،سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور نبی کریمﷺ سے نقل کی ہیں۔

[سنن ترمذی:۴۳،کتاب:القراءات،باب فی فاتحۃ الکتاب:رقم:۲۹۲۷،۲۹۲۸،۱۸۵/۵]

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم ترجیح کا دروازہ بند کریں،کیونکہ یہ دونوں قراءتیں کلام اللہ ہیں،دونوں ہی سے اللہ کی مراد پوری ہورہی ہے اور دونوں ہی اللہ کی شایانِ شان ہیں۔اس لیے علامہ آلوسی البغدادی رحمہ اللہ (م۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ

''میرے نزدیک مالك اور ملك دونوں ہی اللہ کی صفات ہیں لہٰذا ان میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینا بے سود ہے۔''

اسی طرح علامہ السمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''دونوں قراءتوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے والے کی بات کی طرف بالکل توجہ ہی نہیں دینی چاہئے۔''

[روح المعانی:۸۳/۱،۸۴]

دوسری مثال:

فرمان باری تعالیٰ:﴿قَالَ ھَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَا اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ، فَاللّٰہُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ [یوسف:۶۴]

لفظ حافظاً میں دو قراءتیں ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① حافظاً بروزن فاعل، حفص، حمزہ، کسائی اور خلف العاشر نے اسی طرح پڑھا ہے۔
② حافظا بروزن فعلا، یہ قراءۃ، نافع، ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری، ابن عامر شامی، شعبہ، ابوجعفر، یعقوب کی ہے۔
[غایة الاختصار:۲/۵۲۹،الکنز فی القراء ات العشر لابن الوصید الواسطی تحقیق هناء الحمصی:ص۱۷۷]

دونوں قراءتوں کی توجیح

جس نے اسم فاعل کے صیغہ سے پڑھا ہے تو اس نے اللہ کی حفاظت میں مبالغہ کی بنا پر پڑھا ہے، کیونکہ اللہ ہی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والا ہے اور پوری کائنات کی حفاظت کرنے کے لیے وہ اکیلا ہی کافی ہے۔

نصب کی وجہ

① یہ تمیز ہے جیسے وهو خيرهم رجلاً اور ولله دره فارساً میں رجلاً اور فارساً تمیز ہیں۔
چنانچہ المنتخب الهمدانی (م۶۴۳ھ) فرماتے ہیں یہاں حافظاً تمیز ہے، کیونکہ لفظ خیر بمعنی اخیر ممیّز ہے۔[الفرید فی اعراب القرآن المجید:۳/۷۹]
اس ترکیب کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ اللہ سب سے بڑا اور آخری حفاظت کرنے والا ہے یعنی اللہ کی حفاظت غیر اللہ کی حفاظت سے زیادہ ہے۔اس معنی کی تاثیر اعمش اور مطوعی کی قراءۃ فالله خير حافظ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی قراءۃ فالله خير الحافظين سے بھی ہوتی ہے۔
[الکشاف:۲/۴۸۶،معانی القرآن للفراء:۲/۵۰،التفسیر الکبیر:ص۱۷،۹۷]

② یہ حال واقع ہو رہا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ بہترین ہے اس حال میں کہ وہ حفاظت کرنے والا ہے۔ یہ ترکیب علامہ زمخشری نے بیان کی ہے[الکشاف:۲/۳۳۱]لیکن ابوحیان نحوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ترکیب کرنا زیادہ مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہترین ہونا صرف حفاظت پر ہی منحصر ہے۔[البحر المحیط:۵/۳۲۲]لیکن اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ حال لازم ہے اور یہاں یہ پہلے کی تاکید کے لیے آیا ہے نہ کہ بیان کے لیے۔اللہ کا بہترین ہونا، صرف حفاظت میں آیا ہے اور اس کی مثالیں کلام عرب میں پائی جاتی ہیں۔

* جس نے اسے حفظًا فعلاً کے وزن پر پڑھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ حفظ يحفظ حفظا مصدر ہے اور اس کی نصب تمیز کی وجہ سے ہے۔یعنی جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حفاظت کی نسبت اپنی طرف کی اور کہا: ﴿فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [یوسف:۶۳] اور ﴿وَنَحْفَظُ أَخَانَا﴾[یوسف:۶۳]تو ان کے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿فَاللَّهُ خَيْرٌ حِفْظًا﴾ یعنی اللہ کی حفاظت تمہاری حفاظت سے زیادہ بہتر ہے۔ [الموضع لابن ابی مریم:۳/۶۸۴]

دونوں قراءتوں پر مترتب ہونے والی اعجازی وجوہ

اگر بنظر غائر ان دونوں قراءتوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان بڑا گہرا تعلق پایا جاتا ہے وہ اس طرح کہ حفظاً والی قراءۃ حافظاً والی قراءۃ کا جزو لاینفک ہے، کیونکہ کسی کو اس وقت تک حافظ نہیں کہہ سکتے جب تک کہ اس میں حفظ کی صفت نہ پائی جاتی ہو اور بلاشک اللہ تعالیٰ کے اندر تو یہ صفت بدرجہ اتم پائی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے اور ازل سے ابد تک اللہ تعالیٰ اسی صفت سے متصف رہیں گے۔ اسی لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو فرمایا تھا کہ اللہ کی حفاظت تمہاری حفاظت سے بہتر ہے چنانچہ ابن خالویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " فالله خير كم حفظا و حافظاً"

اور دوسری قراءۃ 'حافظا' یہ حکم ضروری کا فائدہ دیتی ہے یعنی 'الحافظ' اللہ کے توقیفی ناموں میں سے ایک نام ہے اور اس کی تائید قرآن مجید کی دوسری بہت سی آیات سے ہوتی ہے جیسے: ﴿وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾ [سبا:۲۱]

''اور تیرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔''

﴿إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾ [هود:۵۷]

''یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔''

اور یہ صفت جمع کے صیغہ کے ساتھ بھی قرآن مجید میں استعمال ہوتی ہے۔

﴿وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَن يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَٰلِكَ ، وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ﴾ [الانبياء:۸۲]

''اور شیاطین میں سے ہم نے بہت سوں کو اس کا تابع بنا دیا تھا جو اس کے لیے غوطے لگاتے اور اس کے سوا دوسرے کام کرتے تھے ان سب کے نگران ہم ہی تھے۔''

مذکورہ بحث سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ الحافظ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور اس کی حفاظت سب سے بہتر ہے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اَفعال العباد

عقیدہ کے مسائل میں سے دوسری چیز 'افعال العباد' کی بحث ہے:

اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ بے شک اللہ کے ایجادی اور اعدامی افعال، بندوں کے اضطراری افعال اور ان کی تقدیر یہ سب اللہ کی مخلوق ہیں، اختلاف صرف اس میں ہے کہ بندوں کے اختیاری افعال بھی مخلوق ہیں یا نہیں۔

تعریفیں

اِختیاری افعال:

اِختیاری افعال سے مراد بندوں کے وہ افعال ہیں جن پر بندوں کو قدرت اور اختیار حاصل ہو اور ان کا ارادہ ان میں شامل ہو جیسے کھانا، پینا، نماز پڑھنا وغیرہ۔

اِضطراری افعال:

اس سے مراد وہ افعال ہیں جو انسان کی قدرت، ارادہ اور اختیار سے باہر ہیں، مثلاً دل کا حرکت کرنا، بیماری کے وقت انسان کا کپکپانا وغیرہ۔

اب ہم چند ایک ایسی مثالیں بیان کریں گے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فعل حقیقی طور پر تو اللہ سے صادر ہوا ہے، لیکن ان کی نسبت بندوں کی طرف مجازاً کر دی گئی ہے۔

پہلی مثال:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً﴾ [البقرة:۵۱]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور یاد کرو، جب ہم نے موسیٰ کو چالیس شبانہ روز کی قرار داد پر بلایا۔''
﴿وَاعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾ [الاعراف:۱۴۲]
''اور ہم نے موسیٰ کو تیس شب و روز کے لیے (کوہِ سینا پر) طلب کیا۔''
﴿وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ﴾ [طٰہٰ:۸۰]
''اور ہم نے طور کے دائیں جانب تمہاری حاضری کے لیے وقت مقرر کیا۔''
ان میں سے لفظ 'وعدنا' اور 'وعدناکم' میں دو قراءتیں ہیں۔

❶ "وعدنا" واؤ کے بعد الف کے بغیر، یہ ابوعمرو، ابوجعفر اور یعقوب کی قراءۃ ہے۔
❷ "واعدنا" الف کے ساتھ، یہ نافع، ابن کثیر، ابن عامر شامی، عاصم، حمزہ، کسائی، خلف العاشر کی قراءۃ ہے۔
(النشر، ج۲ ص۲۱۲۔اتحاف فضلا البشر ج۱ ص۳۹۱)

توجیہ: "وٰعدنا" کی دو وجوہات ہیں:

اوّل: یہ باب مفاعلہ سے ہے جس میں دونوں طرف اللہ تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان مواعدت ہوتی ہے یعنی اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ لیا تھا انہوں نے اس وعدہ کو قبول کیا تو گویا یہ اللہ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان عہد ہوا ہے۔

وضاحت: یعنی اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ کوہ طور پر آئیں تا کہ وہ ان سے کلام کرے اور موسیٰ نے وعدہ کیا کہ وہ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ضرور آئے گا لہٰذا دونوں کے درمیان مواعدت ہوئی ہے۔

[حجة القراء ات لابن زنجله:۹۶]

علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ
''بے شک اللہ نے موسیٰ سے طور پر آنے اور ملاقات کا وعدہ لیا تو موسیٰ نے اسے برضا و رغبت قبول کیا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے راضی تھے اور اس سے بہت زیادہ محبت کرنے والے تھے تو گویا اللہ نے موسیٰ سے وعدہ لیا اور موسیٰ نے اسے قبول کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد و پیمان دونوں طرف سے ہوا ہے۔'' [جامع البیان:۱/۲۲۱]

ثانی: یہ کہ وعدہ صرف اللہ کی ہی طرف سے ہے اور کلام عرب میں باب مفاعلہ ایک کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جیسے خارفت الثوب (میں نے کپڑا پھاڑ دیا) اور عاقبت اللصّ (میں نے چور کا تعاقب کیا) اور داویت المریض (میں نے مریض کا علاج کیا) ان مثالوں میں باب مفاعلہ ہے، لیکن فعل ایک ہی سے صادر ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس قراءۃ میں بھی فعل ایک ہی طرف سے صادر ہو رہا ہے اور باب مفاعلہ صرف مبالغہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

[شرح الهدایه:۱/۱۶۵، الموضح:۱/۲۷۴، الكشف:۱/۲۴۰]

لیکن جو بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ انبیاء علیہم السلام بشر ہیں، لیکن عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے وہ برگزیدہ اور چنیدہ ہوتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام تو اس کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے جیسا کہ آپ کلیم اللہ بھی ہیں۔ لہٰذا یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہاں اللہ اور موسیٰ دونوں کی طرف سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی اللہ نے موسیٰ سے عبادت کا حق ادا کرنے کے لیے کہا اور موسیٰ نے اس کو پورا کرنے کا وعدہ کیا۔

دوسری قراءۃ 'وعدنا' بغیر الف کے اس کا مطلب یہ ہے کہ وعدہ کا صدور صرف اللہ تعالیٰ سے ہوا ہے موسیٰ علیہ السلام سے نہیں جیسا کہ لفظ کے ظاہر سے بھی اس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ (مذکورہ مصادر)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِعجازی وجوہ اوران کا عقیدہ پر اثر

یہاں وہ بات جس کا تعلق عقیدہ سے ہے، یہ ہے کہ بعض افعال کی نسبت بندوں کی طرف مجازی طور پر کرنا جائز ہے اگر چہ وہ حقیقت میں اللہ ہی سے صادر ہوتے ہیں اور اس بات پر علمائے حق کا اتفاق ہے کہ بے شک اللہ ہی بندوں کے افعال کا خالق ہے، لیکن بعض افعال کی نسبت مجازی طور پر انسانوں کی طرف کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل صرف مذکورہ آیات ہی نہیں بلکہ اور بھی آیات ہیں مثلاً ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [الصافات:۹۶] ''اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔''

اس آیت میں حقیقت اور مجاز دونوں جمع ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عمل کو لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن ان کا اور ان کے اعمال کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ گویا اس کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا بھی خالق ہے۔ یہی مذہب اہل السنّت والجماعت کا ہے کہ بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس سے فرقہ قدریہ اور جبریہ کا ردّ ہوتا ہے۔ [الجامع لاحکام القرآن ص۱۵،۹۶، القراء ات المتواترة وافرها الرسم القرآنی والاحکام الشرعیة للدکتور محمد الحبشی ص۱۴۲] اور صاحب الجوھرۃ فرماتے ہیں۔

مخالق	لعبده	وما	عمل
موفق	لمن	اراد	أن يصل
و	خاذل	لمن	اراده بعده
ومنجز	لمن	اراد	وعده

''پس اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے اعمال کو پیدا کرنے والا ہے، کامیاب ہو گیا وہ شخص جو اس سے ملاقات کا ارادہ رکھتا ہے اور رسوا ہو گیا وہ شخص جو اس سے دور ہو گیا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے۔''

دوسری مثال:

فرمان الٰہی ہے: ﴿قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكَ لِاَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا﴾ [مریم:۱۹]

''(فرشتے نے) کہا میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔''

یہاں لفظ 'لأهب' میں دو قراءتیں ہیں۔

1. لیهب (بالیاء) یہ ورش، ابوعمرو، یعقوب اور قالون کی خلف کے ساتھ قراءۃ ہے۔
2. لأهب (بالألف) ابن کثیر مکی، ابن عامر شامی، عاصم، حمزہ، کسائی، ابوجعفر، خلف اور قالون کی دوسری قراءۃ ہے۔

توجیہ القراءات اور مسائل عقیدہ پر ان کا اثر

یہاں لفظ 'لأهب' میں ہبہ کی نسبت مجازی طور پر سبب یعنی حضرت جبریل کی طرف کی گئی ہے اور سبب کی طرف نسبت قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر آتی ہے ان میں سے بتوں کے بارے میں فرمایا۔ ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ [ابراھیم:۳۶] ''پروردگار، ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے۔''

اس آیت میں بھی گمراہ کرنے کی نسبت بتوں کی طرف ہو رہی ہے۔

اور 'لیهب' میں ہبہ کی نسبت حقیقی ہے جو کہ اللہ کی طرف ہو رہی ہے، کیونکہ حقیقی عطاء کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اور ہمزہ والی قراءۃ سے پتہ چلتا ہے کہ افعال کی نسبت مجازی طور پر غیر اللہ کی طرف کرنا جائز ہے حالانکہ تمام افعال کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس پر تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔

[الکشف مکی:۸۶/۲،۸۷بتصرف، روح المعانی:۷۷/۱۶]

اس بارے میں چند دیگر مثالیں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾ [محمد:۱۷]

''اور رہے وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرماتا ہے۔''

﴿فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [الصف:۵]

''پھر جب انہوں نے ٹیڑھا اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔''

ان مذکورہ آیات میں ہدایت، گمراہی، ٹیڑھاپن کی مجازی نسبت غیر اللہ کی طرف ہے، حالانکہ حقیقت میں ان تمام چیزوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

تیسری مثال:

قولہ تعالیٰ ﴿وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ﴾

''اور اس طرح فرعون کے لیے اس کی بدعملی خوشنما بنا دی گئی اور وہ راہ راست سے روک دیا گیا۔ فرعون کی ساری چالبازی (اس کی اپنی) تباہی کے راستہ میں ہی صرف ہوئی۔''[المؤمن:۳۷]

لفظ 'صد' میں دو قراءتیں ہیں۔

اوّل: 'صد' بضم الصاد فعل مجہول۔ یہ قراءۃ عاصم، حمزہ، کسائی، خلف العاشر اور یعقوب کی ہے۔

ثانی: 'صد' بفتح الصاد فعل معروف۔ یہ قراءۃ نافع، ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری، ابن عامر شامی اور ابوجعفر کی ہے۔

[النشر:۲۹۸/۲،اتحاف فضلاء البشر:۱۶۲/۲]

توجیہ اور ان کا مسائل عقیدہ پر اثر

و صُدَّ فعل مجہول، اس کا معنی یہ ہے کہ فرعون کے لیے شرک اور تکذیب جیسی بری چیزیں مزین کر دی گئیں اور اس نے سرکشی میں حد سے تجاوز کیا اور ہدایت اور بھلائی کے راستے سے روکا، کیونکہ اس نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو پسند کیا تھا۔ گویا یہ آیت فرعون کے فسق و فجور اور گمراہی کی خبر دے رہی ہے اور یہ سارا کام اللہ کے ارادہ، امر اور قدرت کے تحت ہوا ہے یعنی اللہ نے اس کو ہدایت کے راستے سے روک دیا جیسا کہ فرمایا:

﴿وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ [التوبۃ:۸۷]

''اور ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا گیا، اس لیے اب ان کی سمجھ میں اب کچھ نہیں آتا۔''

اور اللہ نے یہ گمراہی فرعون پر اس لیے مسلط کی تھی کیونکہ اس کے کام ہی اس چیز کا تقاضا کرتے تھے کہ اس پر گمراہی مسلط کر دی جائے جس کی دلیل دوسری قراءۃ زین (فعل معروف) والی قراءۃ بھی ہے اور اسی طرح ﴿فَأَطَّلِعَ إِلٰى إِلٰهِ مُوْسٰى﴾ ''اور موسیٰ کے خدا کو جھانک کے دیکھوں'' سے پتہ چلتا ہے کہ فرعون گمراہی کی طرف بہت زیادہ مائل ہو گیا تھا اور اسے پسند کرنے لگ گیا تھا چنانچہ اللہ نے اس کے لیے گمراہی کو ہی مزین کر دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[الکشاف للزمخشری:۱۶۸/۴،حجة ابن زنجلة:ص۳۷۴]

'وصُدَّ' کی قراءۃ کا معنی یہ ہے کہ فرعون اپنے باطل نظریات اور شبہات کی وجہ سے سیدھی راہ اختیار کرنے سے رُک گیا۔ اس معنی کی تائید بعد والے جملے ﴿وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ﴾ سے بھی ہوتی ہے یعنی وہ جانتا بھی تھا کہ میری تدبیر غلط ہے پھر بھی وہ اپنے نظریات پر پرڈٹا رہا اور حق کا انکار کرتا رہا۔

[فتح القدیر:۴۹۲/۴، روح المعانی:۷۰/۲۴]

اس مذکورہ بحث سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ افعال اختیار یہ کی نسبت مجازی طور پر بندہ کی طرف کرنا جائز ہے، جیسا کہ 'وصد' سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ ان تمام افعال کا حقیقی خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی پر تمام علمائے حق کا اتفاق ہے۔

نبوت

بلا شبہ تمام انبیاء ورُسل اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور چنیدہ انسان ہیں وہ اللہ کے ہاں بڑے معزز ہیں اور اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے سب سے زیادہ اہل بھی وہ انسانیت کی رہنمائی کے لیے ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انبیاء کی حقانیت وصداقت پر ایمان لایا جائے اور انہیں کسی قسم کے جھوٹ یا خیانت سے نہ متصف کیا جائے اور نہ ہی یہ خیال کیا جائے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام پہنچانے میں بخل سے کام لیا ہے۔ قراءات قرآنیہ جہاں دوسرے بہت سے مسائل کی وضاحت کرتی ہیں وہاں وہ اس بات کی بھی غمازی کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ بخیل اور خائن نعوذ باللہ قطعاً نہ تھے۔ قرآن مجید میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ ایک ہی لفظ میں ایک سے زائد قراءتیں اپنے اندر مختلف معانی اور جامعیت لیے ہوئے ہیں اور ایک ہی لفظ میں دو قراءتیں نبی کریم ﷺ کا دو مختلف طریقوں سے دفاع بھی کرتی ہیں۔ مندرجہ ذیل مثال سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ قراءات اپنے اندر کتنی جامعیت سمیٹے ہوئے ہیں۔

قولہ: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ [التکویر:۲۴]

''اور وہ (غیب کے اس علم کو لوگوں تک پہنچانے) کے معاملہ میں بخیل نہیں ہیں۔''

لفظ 'بضنین' میں دو قراءتیں ہیں:

اوّل: "بضنین" ضاد سے۔ یہ نافع، ابن عامر، عاصم، حمزہ، ابوجعفر، خلف العاشر اور روح کی قراءۃ ہے۔

ثانی: "بظنین" ظا سے۔ یہ ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری، کسائی اور رویس کی قراءۃ ہے۔ [الاختیار فی القراءات العشر:۲۷۱/۲، النشر:۳۹۸/۲، ۳۹۹، اتحاف فضلاء البشر:۵۹۲/۲]

توجیہ القراءات

بے شک جمہور کی قراءۃ یعنی 'بضنین' یہ ضن بمعنی بخل ہے، چنانچہ مصباح اللغات میں لکھا ہے کہ ضن بالشیء، یضن (باب نصَر ینصُر سے)، ضناً و ضِنَّة کسرہ کے ساتھ اور ضَنانة فتحہ کے ساتھ بخل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ کلمہ باب ضرب سے بھی استعمال ہوا ہے۔ [المصباح مادہ، ضنن] اور صاحب مصباح فرماتے ہیں کہ یہ لغوی اعتبار سے باب 'ضرب' سے استعمال ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے ضن یضِن ضاد کے کسرہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے، تو اس کا معنی یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ وحی کی تعلیمات کو آگے پھیلانے میں بخیل نہیں ہیں بلکہ فراخدلی سے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ [الکشف:۳۶۴/۲، شرح الهداية:۵۴۹/۲]

اور یہاں 'الغیب' سے مراد قرآن مجید ہے اور علی بمعنی با حرف جر ہے۔

[التفسير الكبير:۲۴۶/۳۱، الجامع لاحكام القرآن:۲۴۲/۱۹]

اور الجمل نے کہا ہے کہ علی بمعنی فی ہے۔[الفتوحات الالهية:۶۳۴/۴]

اور 'ظا' کی قراءۃ ظن بمعنی تہمت سے ماخوذ ہے۔تو اس قراءۃ کا معنی یہ ہوا کہ محمد ﷺ پر قرآن کے بارے میں کوئی تہمت نہیں لگائی جاسکی، بلکہ آپ ﷺ ثقہ ہیں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ کی طرف سے حاصل ہونے والے حرف یا معنی میں کوئی تبدیلی کرتے ہیں حتی کہ آپ ﷺ کو تو عام حالت میں بھی جھوٹ بولتے نہیں پایا گیا۔ [الجامع لاحكام القرآن :۲۴۲/۱۹، تفسير المراغي:۳۴۴/۱۰]

اعجازی وجوہ اور ان کا مساعی عقیدہ پر اثر

اگر بنظر غائر سابقہ دونوں قراءتوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک قراءۃ اپنا ایک الگ اور مستقل معنی ومفہوم رکھتی ہے۔ چنانچہ 'بضنين' والی قراءۃ سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے بخیلی اور کہانت کی نفی کی ہے، کیونکہ کاہن بخیل ہوتا ہے اور وہ اس وقت تک بات نہیں بتاتا جب تک کہ اُجرت نہ لے لے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ نعوذ باللہ کاہن ہوتے تو بخیل ہوتے اور اس طرح تمہیں غیب کی خبریں، جنت کی خوشخبری اور جہنم کی وعید اُجرت لیے بغیر نہ سناتے جبکہ آپ تو بہت بڑی سخی ہیں بلا معاوضہ دین اسلام اور اللہ کے قرآن کی تعلیم دیتے ہیں۔

اور دوسری قراءۃ 'بظنين' اس بات کی وضاحت کررہی ہے کہ نبی کریم ﷺ پوری تندہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔آپ صادق اور امین ہیں اور آپ ﷺ پر کسی خیانت کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔ آپ ﷺ اللہ کی وحی سے کوئی چیز نہیں چھپاتے، نہ ہی اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں اور نہ ہی اس بارے میں کسی وہم کا شکار ہوتے ہیں، بلکہ آپ ﷺ ہر چیز کو یقین سے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

سمعیات

سمعیات سے مراد وہ امور ہیں جن کا اثبات قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے، لیکن عقل ان کا ادراک نہیں کرسکتی جیسے فرشتے، جن، بعث بعد الموت، حشر اور حساب وغیرہ ان کے بارے میں عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ یہ تمام چیزیں برحق ہیں، کیونکہ ضروری نہیں کہ ہر وہ چیز جو عقل سے ثابت نہ ہو سکے وہ غیر صحیح ہے۔بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا عقل ادراک نہیں کرسکتی لیکن وہ ثابت ہیں ہاں اگر ان کی تصدیق عقل سے بھی ہوجائے تو یہ زائد چیز ہے، مثلاً نبی کریم ﷺ کی نبوت اور قرآن نقلی علوم میں سے ہیں اگر یہ تمام چیزیں عقل سے نہ بھی ثابت کی جاسکتی ہوں تب بھی آپ ﷺ کی رسالت اور قرآن پر ایمان لانا اور ان کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی قراءات اس قسم کی بھی عقدہ کشائی کرتی ہیں صرف ایک مثال ذکر کی جاتے ہے جس کا تعلق سمعیات اور غیب کی خبروں سے ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی مثال:

قولہ تعالیٰ: ﴿هُنَالِكَ تَبْلُوْ كُلُّ نَفْسٍ مَا اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ﴾ [یونس:۳۰]

''اس وقت ہر شخص اپنے کئے کا مزہ چکھ لے گا اور سب اپنے حقیقی مالک کی طرف پھیر دیئے جائیں گے۔''

لفظ 'تبلوا' میں دو قراءتیں ہیں۔

① تتلوا: یہ حمزہ، کسائی اور خلف العاشر کی قراءۃ ہے۔

② تبلو: یہ نافع، ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر، عاصم، ابوجعفر اور یعقوب کی قراءۃ ہے۔

[السبعة لابن مجاهد: ۳۲۵، النشر: ۲۸۳/۲، اتحاف فضلاء البشر: ۱۰۹/۲]

توجیہ القراءات

تتلوا اس کا معنی یہ ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کی طلب اور تتبع کرے گا یا صحیفے میں لکھے بُرے یا اچھے اعمال کا پڑھے گا۔ اس کی تائید مندرجہ ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔

﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طَآئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ [الاسراء: ۱۳، ۱۴]

''اور ہر انسان کا شگون ہم نے اس کے اپنے گلے میں اٹکا رکھا ہے اور قیامت کے روز ہم ایک نوشتہ اس کے لیے نکالیں گے جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا۔ پڑھ اپنا اعمال نامہ، آج اپنا حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔''

تو تتلوا والی قراءۃ یا تو طلب اور تتبع سے ہے یا تلاوۃ سے۔

اور 'تبلوا' والی قراءۃ کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک جان کو اس کے اچھے یا بُرے عمل کی خبر دی جائے گی اور وہ اپنے اعمال کو دیکھ لے گا اور ان کے بارے میں جان جائے گا۔

اِعجازی وجوہ

اگر ان دونوں قراءتوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان کا اعمال نامہ اس کو پیش کر دیا جائے گا جس کو وہ پڑھے گا۔ یا یہ ہے کہ وہ دنیا میں جتنے کام کرتا رہا ہے سب کو دیکھ لے گا اور اس کو اپنے ہر اچھے اور برے عمل کا پتہ چل جائے گا۔

اس مذکورہ بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے یہ احوال غیب سے تعلق رکھتے ہیں جن پر ایک مسلمان کے لیے ایمان لانا ضروری ہے اور مذکورہ دونوں قراءتیں اسی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

دوسری مثال:

قولہ تعالیٰ ﴿وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ﴾ [النمل: ۸۲]

''اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت اُن پر آ پہنچے گا تو ہم اُن کے لیے ایک جانور زمین سے نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا اس لیے کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔''

لفظ 'أن' میں دو قراءتیں ہیں:

اوّل: ''أن الناس'' ہمزہ مفتوح۔ یہ قراءۃ عاصم، حمزہ، کسائی، خلف العاشر اور یعقوب کی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثانی: "إنَّ الناس" ہمزہ مکسور۔ یہ نافع، ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری، ابن عامر شامی اور ابوجعفر کی قراءۃ ہے۔

[غایۃ الاختصار:۶۰۲/۲، النشر:۳۳۸/۲، الاختیار:۶۰۰/۲]

توجیہ القراءات

'أنَّ' ہمزہ کے فتحہ والی قراءۃ میں حرف جر حذف ہے، یعنی "تکلّمهم بأن الناس" اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ "تکلمهم بأن الناس کانوا بآیتنا لایوقنون" سے ہوتی ہے۔

[المحتسب:۱۱۴/۲، شواذ القراءات للکرمانی:۱۸۳]

معنی: اس کا معنی یہ ہے کہ ہم قیامت کو زمین سے جانور کو باہر نکال لیں گے، جو گواہی دے گا کہ یہ لوگ اللہ کی آیات، قیامت اور باقی احکامات پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اس آیت میں تکلّمهم کے معنی میں مندرجہ ذیل اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا یہ الکلام بمعنی بات سے ہے یا الکلم بمعنی جرح سے ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ کلام بمعنی بات سے ہے اور اس کی تائید ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءۃ 'تنبئهم' (وہ ان کو خبر دیں گے) اور یحییٰ بن سلام رضی اللہ عنہ کی قراءۃ 'تحدّثهم' (وہ ان کو کہیں گے) سے بھی ہوتی ہے۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ کِلْمٌ بمعنی جرح سے ہے، جس کی تائید ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، ابن جبیر، ابی زرعۃ، حجدری، ابی حیوہ اور ابن ابی عبلۃ وغیرہ کی قراءۃ 'تکلّمهم' سے ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض نے 'تَجْرَحُهم' یعنی جرح بمقابل تعدیل بمعنی طعن وتشنیع پڑھا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی جرح بمعنی زخم، داغنا کیا جائے، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ کافر کی پیشانی داغی جائے گی اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ قیامت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ساتھ کافر کی ناک ریزہ ریزہ کردی جائے گی۔ بعض نے 'داغنے' کے معنی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ابن حماد اور ابن مردویہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کرتے ہیں کہ یہاں تکلمهم سے مراد حدیث اور کلام نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کافر کی پیشانی اللہ کے حکم سے داغی جائے گی اور ابوالجوزاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا اس آیت میں "تُكَلِّمُهُمْ" ہے یا "تَكْلِمُهُمْ" تو آپ نے فرمایا دونوں ہی طرح ہے یعنی مؤمن کلام کریں گے اور کافروں کو داغا جائے گا۔

[روح المعانی:۲۵/۲۰، زاد المسیر:۸۱/۶، معالم التنزیل:۱۷۷/۶]

اور اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کافروں کی پیشانی داغی جائے گی، کیونکہ وہ اللہ کی آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ مصنف کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ 'ان الناس' ہمزہ مفتوح والی قراءۃ میں بامقدرہ ہے اور اس کو سببیہ اور تعدیہ دونوں بنانا جائز ہے۔ اس اعتبار سے اس کا معنی حدیث اور جرح دونوں طرح کرنا جائز ہے یعنی وہ جانور کہے گا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تھے، یا یہ کہ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے وہ کلام کرے گا، یا یہ کہ وہ لوگوں پر جرح یعنی طعن وتشنیع کرے گا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تھے، یا پھر یہ کہ وہ لوگوں کا ایمان ختم ہوجانے کی وجہ سے ان کی پیشانی داغے گا۔ [الدر المصون:۳۲۸/۵]

اور 'إن الناس' بکسر ہمزہ کے ساتھ دو وجہیں ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوّل: یہ تُکلِّمھم قول کے قائم مقام ہو یعنی تقول لھم۔

ثانی: یہاں تکلِّمھم کے بعد فتقول لھم کو محذوف مانا جائے۔

[الحجة لأبی علی: ۴۰۶/۵، شرح الهداية: ۴۵۸/۲، الموضوع: ۹۷۳/۲]

ان دونوں وجوہ میں دو معانی ہو سکتے ہیں:

نمبر① یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو جیسا کہ عبارت سے بھی ظاہر ہے۔

نمبر② یہ کہ جانور کا کلام ہو۔

دوسرے معنی پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جانور کہے گا کہ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے حالانکہ آیات تو اللہ کی طرف سے ہیں۔[التفسیر الکبیر: ۲۳۸/۲۳۔ الدر المصون: ۳۲۸/۵، روح المعانی: ۲۴/۲۰]

اس اعتراض کے علماء نے دو جواب دیئے ہیں:

① چونکہ وہ ایک خاص قسم کا جانور ہوگا اس لیے وہ اللہ کی آیات کو اپنی طرف منسوب کرے گا جیسا کہ عام طور پر بادشاہ کے قریبی کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا شہر، ہمارا ملک وغیرہ، حالانکہ ملک اور شہر کا اصل مالک تو بادشاہ ہوتا ہے۔

② یہاں مضاف الیہ محذوف ہے یعنی 'بآیات ربنا' (مصادر سابقہ) اور ابوشامہ فرماتے ہیں کہ دونوں قراءتوں کے مطابق تکلمھم سے مراد اللہ کا کلام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہم زمین سے بہت بڑی ڈرانے والی نشانی نکالیں گے جو ان سے مخاطب ہوگی کہ فلاں مومن ہے اور فلاں کافر۔

[ابراز المعانی، ص۴۲۵]

اِعجازی وجوہ

'أن الناس' ہمزہ مفتوح والی قراءۃ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ قرب قیامت ایک جانور زمین سے نکلے گا جس کی تائید 'إن الناس' ہمزہ مکسور والی قراءۃ سے بھی ہوتی ہے اور دوسری چیز جو اس قراءۃ سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جانور کلام بھی کرے گا اور کہے گا کہ یہ لوگ اللہ کی آیات کے ساتھ یقین نہیں رکھتے تھے۔ ان دونوں قراءات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن جانور زمین سے نکلے گا بھی اور کلام بھی کرے گا۔ یہ دونوں قیامت کی نشانیاں ہیں جن پر ایمان لانا اور صحیح ہونے کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے اس کا انکار قطعاً جائز نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ